© rasailojaraid.com

جب چاہتے بے تکلف لکھتے اور لکھتے ہی چلے جاتے تھے، قلم انھیں اس درجہ عزیز تھا کہ وفات سے دو دن پہلے بھی وہ ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی ہمہ گیر مصروفیتوں، جسمانی اسقام و عوارض اور کبر سن کے باعث ضعف و اضمحلال کے باوجود کیا مجال کہ ان کے معمولات عبادت و اوراد و وظائف میں کوئی فرق آجائے، وہ چلے گئے اور نئی نسل کے لئے اخلاص و عمل، جد و جہد اور اعلیٰ اقدار حیات کے لئے ہمہ تن سعی و کوشش کی ایک مثال قائم کر گئے، رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا محمد میاں کے ماتم میں ابھی اشک غم دیدۂ پرنم میں خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ اچانک لاہور سے آغا شورش کاشمیری کے انتقال پرملال کی خبر ملی اور جی دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اردو صحافت و جرنلزم کی تاریخ میں دبستان ظفر علی خاں نے پنجاب میں ارباب قلم اور اصحاب شعر و ادب کی جو ایک نہایت عظیم الشان اور نامور نسل پیدا کی ہے مرحوم اس کے گل سرسبد تھے، نو عمری میں ہی قومی اور ملی تحریکات میں سرگرمی اور جوش کے ساتھ عملاً شریک ہو جانے کے باعث تعلیم کبھی ڈھنگ سے نہیں پائی اور نہ اس کی تکمیل کی، لیکن تحریر و تقریر کا ملکہ خداداد تھا، مولانا ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے زعمائے مجلس احرار نے اس کو جلا دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اردو زبان کے منفرد صحافی، ادیب، بلند پایہ زود گو شاعر اور شعلہ بیان خطیب و مقرر بن گئے۔ ان کو نثر و نظم دونوں پر بلا کی قدرت تھی اور دونوں میں خطابت کا رنگ جھلکتا تھا، اس اعتبار سے ان کے عبقری ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، ان اوصاف و کمالات کے ساتھ اگر ان میں مصلحت پسندی بھی ہوتی تو ان کے لئے کیا کچھ نہیں تھا، لیکن انھوں نے اصحاب دار و رسن کی راہ اختیار کی اور اسی جوش و جذبہ کے ساتھ کہ عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ قید و بند میں گذارنا پڑا۔ ابھی چند ماہ پہلے اُن کا محبت نامہ جو اڈیٹر برہان کے نام آیا تھا اس میں بڑی حسرت سے لکھا تھا: "اس قید و بند نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا، اور مجھ میں کچھ نہیں رہا، تمنا ہے کہ زندگی میں ایک بار آپ کو اور دیکھ لوں۔" کیا خبر تھی کہ مرحوم کا یہ آخری

© rasailojaraid.com